مَوتُ العَالِمِ موتُ العَالَم

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

محفل دوشیں کا وہ چراغِ سحر جو کئی سال سے ضعف و مرض کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر سنبھل جاتا تھا، بالآخر ۸۲ سال ۳ ماہ ۱۰ روز جل کر ۱۵؍ رجب ۱۳۶۲ھ کی شب کو ہمیشہ کے لئے بجھ گیا۔

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

یعنی حکیم امت، مجدد طریقت، شیخ الکل حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرض ضعف و اسہال میں کئی ماہ علیل رہ کر ۱۹؍ اور ۲۰؍ جولائی کی درمیانی شب کو ۱۰ بجے نماز عشاء کے وقت اس دار فانی کو الوداع کہا اور اپنے لاکھوں معتقدوں اور مریدوں اور مستفیدوں کو غمگین و مہجور چھوڑا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ اب اس دور کا بالکلیہ خاتمہ ہوگیا، جو حضرت شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، مولانا یعقوب صاحب نانوتوی، مولانا قاسم صاحب نانوتوی، مولانا شیخ محمد صاحب تھانویؒ کی یادگار تھا اور جس کی ذات میں حضرات چشت اور حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت سید احمد بریلوی کی

نسبتیں یکجا تھیں، جس کا سینہ چشتی ذوق وعشق اور مجددی سکون ومحبت کا مجمع البحرین تھا، جس کی زبان شریعت وطریقت کی وحدت کی ترجمان تھی، جس کے قلم نے فقہ وتصوف کو ایک مدت کی ہنگامہ آرائی کے بعد باہم ہم آغوش کیا تھا اور جس کے فیض نے تقریباً نصف صدی تک اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے اپنی تعلیم وتربیت اور تزکیہ وہدایت سے ایک عالم کو مستفید بنا رکھا تھا اور جس نے اپنی تحریر وتقریر سے حقائق ایمانی، دقائق فقہی، اسرار احسانی اور رموز حکمتِ ربانی کو برملا فاش کیا تھا اور اسی لئے دنیا نے اس کو حکیم الامت کہہ کر پکارا اور حقیقت یہ ہے کہ اس اشرفِ زمانہ کیلئے یہ خطاب عین حقیقت تھا۔

سوانح: حضرت کی پیدائش ۵، ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۰ھ کو چہار شنبہ کے دن ہوئی، ابتدائی عربی تعلیم تھانہ بھون میں مولانا فتح محمد صاحب تھانوی سے حاصل کی، سنہ ۱۲۹۵ھ سے شروع سنہ ۱۳۰۱ھ تک مدرسہ دیوبند میں رہ کر مولانا یعقوب صاحب کے حلقہ میں تکمیل کی، فراغت کے بعد ہی سنہ ۱۳۰۱ھ میں مدرس ہو کر کانپور آگئے اور چودہ سال یہاں مقیم رہے اور اپنے درس، مواعظ اور فتاویٰ سے لوگوں کو مستفید کیا۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے بواسطہ خط کے غائبانہ بیعت مہاجر الی اللہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے سنہ ۱۲۹۹ھ میں ہو چکی تھی، لیکن سنہ ۱۳۰۱ھ کے آخر میں ایام حج میں بعد حج حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اخذ فیض فرمایا اور واپس آکر سنہ ۱۳۰۶ھ تک علمی مشاغل، تصنیف و تالیف اور تدریس کے ساتھ ذکر وشغل بھی ضمناً معمول رہا، مگر سنہ ۱۳۰۷ھ میں رنگ نے

پلٹا کھایا اور یہ رنگ بڑھتا گیا، یہاں تک کہ سنہ ۱۳۱۰ھ میں مضطربانہ اور والہانہ حج کا دوبارہ ارادہ کیا اور حضرت حاجی صاحب کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر دوبارہ ایک زمانۂ خاص تک رہ کر استفادۂ باطنی فرمایا، واپس آ کر سنہ ۱۳۱۴ھ تک پھر کانپور میں رہے، آخر حضرت حاجی صاحب کے مشورہ کے مطابق سنہ ۱۳۱۵ھ میں کانپور سے ترکِ تعلق فرما کر تھانہ بھون میں متوکلانہ اقامت فرمائی اور اس وقت سے لے کر اخیر وقت تک یعنی اس سنہ ۱۳۶۲ھ تک اسی شان سے خانقاہ امدادیہ کی سہ دری میں بیٹھ کر افادہ و افاضہ میں برابر مصروف رہے اور ایک خلق کو اپنی برکات سے بہرہ مند فرمایا، اسی اثناء میں اپنے مواعظ تصانیف اور ملفوظات سے لاکھوں کو انسان، ہزاروں کو مسلمان اور سینکڑوں کو متقی کامل بنا دیا اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعا یا پیشگوئی پوری ہوئی۔

> "بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے، امید ہے کہ آپ سے خلائق کثیر کو فائدۂ ظاہری و باطنی ہوگا اور آپ ہمارے مدرسہ و مسجد کو از سر نو آباد کریں، میں ہر وقت آپ کے حال میں دعا کرتا ہوں اور خیال رہتا ہے۔"
>
> ۱۲؍ ربیع الثانی سنہ ۱۳۱۵ھ

تصانیف: حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف و رسائل کی تعداد آٹھ سو کے قریب ہے اور کل کی کل تحقیقاتِ علمیہ، حقائقِ دینیہ اور نکاتِ احسانیہ سے لبریز ہیں۔ ان میں تفسیر البیان، شرح مثنوی، فتاویٰ امدادیہ، التعرف الی التصوف، اور بہشتی زیور وغیرہ کتابیں کئی کئی جلدوں میں ہیں، ملفوظات اور مواعظ و خطبات کی تعداد سینکڑوں

کی حد تک ہے، ان تصانیف میں قرآن پاک کی مشکل آیات کریمہ کی تفسیر، احادیث شریف کی شرح، فقہ کے مشکل مسائل کا جواب، سلوک و طریقت کے نکتے، اخلاق فضائل و رذائل کی حکیمانہ تحقیق اور ان کے حصول و ازالہ کی تدابیر اور زمانہ حال کے شکوک و شبہات کے جوابات سب کچھ ہیں، تصانیف میں متفرق علوم و مسائل اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان سے کسی ایک موضوع کے مباحث کو علیحدہ کیا جائے تو ایک ایک مستقل کتاب بن جائیں، چنانچہ حضرت کے تربیت یافتوں نے اس قسم کے بیسیوں مجموعے تیار کئے ہیں، سب سے اخیر میں اس قسم کا مجموعہ "بوادر النوادر" کے نام سے ایک ہزار صفحوں میں چھپ کر شائع ہوا ہے، خطوط کے جوابات کا جن کے متعلق وفات کے دن تک یہ اہتمام رہا کہ آج کے خط کا جواب کل کے لئے اٹھا نہ رکھا جائے، عظیم الشان دفتر الگ ہے۔

تصنیفات میں بلکہ ہر تحریر میں اہل نظر کو یہ معلوم ہوگا کہ گویا مصنف کے سامنے سارے مسائل و مواد یکجا ہیں اور وہ سب کو اپنی اپنی جگہ احتیاط سے رکھتا جاتا ہے، عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ مصنف جس موضوع پر قلم اٹھاتا ہے، اس کو اس میں ایسا غلو ہو جاتا ہے کہ دوسرے گوشوں سے اُس کو ذہول ہو جاتا ہے، حضرت کی تصانیف کی خاص بات یہ ہے

کہ قلم ہر ایک کی احتیاط اور رعایت کرکے اور غلو سے بچ کر اس طرح نکلتا ہے کہ جاننے والوں پر حیرت چھا جاتی ہے، حضرت کا ترجمۂ قرآن پاک تاثیر، سہولت بیان اور وضوح مطالب میں اپنا آپ نظیر ہے، بہشتی زیور کہنے کو تو عورتوں کی کتاب ہے، مگر فقہ حنفی کی ضروریات کے لیے انتہائی احتیاط و کاوش کا نتیجہ ہے، تفسیر القرآن کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ روح المعانی اور تفاسیر ماسبق کی اُردو میں حد درجہ محتاطانہ ترجمان ہے، سلوک و طریقت کی کتابوں کا بھی یہی حال ہے۔

حضرت کی تجدید طریقت کا بڑا کمال یہ ہے کہ طریقت کو جو ایک زمانہ سے صرف چند رسوم کا مجموعہ ہو کر رہ گئی تھی، زوائد و حواشی سے صاف کرکے قدماء اور سلف صالحین کے رنگ پر لے آئے۔

کبھی فرصت سے سُن لینا بڑی ہے داستان میری

علالتِ طبع: حضرت کی صحت ادھر چند سال سے رُوبانحطاط تھی، دو دفعہ خاص علاج کی غرض سے لکھنؤ تشریف لانا ہوا اور دونوں دفعہ صحت و عافیت کے ساتھ مراجعت ہوئی، علالت اصلی یہ تھی کہ معدہ و جگر کا فعل صحیح نہیں رہا تھا، علاج سے طبع مبارک اصلاح پذیر ہو جاتی تھی، مگر بالکلیہ ازالہ نہیں ہوتا تھا، اس دفعہ تین ماہ سے

طبیعت پر اضمحلال طاری تھا، چنانچہ علاج کے لئے سہارنپور تشریف لے گئے اور چند روز قیام فرما کر واپس تشریف لے گئے، لیکن طبیعت صاف نہیں ہوئی، وطن میں حکیم سعید صاحب گنگوہی کا علاج شروع ہوا اور ورم جگر و معدہ کا مرض تشخیص ہوا، مگر فائدہ نہ ہوا، اشتہا ساقط تھی، روزانہ اسہال کی تعداد چالیس پچاس تک پہنچ گئی اور ضعف روز بروز بڑھتا گیا، وصال سے قریب بیس روز پہلے حکیم خلیل صاحب سہارنپوری کا علاج شروع ہوا، ضعفِ معدہ اور ضعفِ جگر کی تجویز تھی، حکیم صاحب کے علاج سے دستوں میں کمی آگئی، مگر اشتہا بالکل ہی ساقط تھی اور ضعف میں ترقی ہی ہوتی رہی۔

میری آخری حاضری: خاکسار جون کے آخر میں اپنے مستقر سے تھانہ بھون اور پھر بھوپال کے ارادہ سے روانہ ہوا، لیکن لکھنؤ پہنچ کر دار العلوم ندوہ کے معاملات نے الجھا دیا، لکھنؤ میں ہر روز حضرت کی شدتِ علالت کی اطلاعیں آ رہی تھیں، حضرت کے ہزاروں معتقدوں کی طرح خاکسار بھی زیارت کے لئے بے چین تھا، حضرت کی طرف سے سخت قدغن تھی کہ باہر لوگوں کو اس شدتِ علالت اور کیفیتِ مزاج کی کوئی اطلاع نہ دی جائے تاکہ مخلصین میں اضطراب نہ پیدا ہو، اور وہ سفر کی زحمت نہ اٹھائیں، جو پہنچ جاتے تھے عام طور سے بطور تنبیہ ان کو اندر جانے کی اجازت نہیں ملتی تھی، اس پر بھی خاکسار خلاف دستور بے اطلاع ۶ جولائی کو لکھنؤ سے روانہ ہو گیا اور ۷ کی دوپہر کو

عین بارش کی حالت میں اسٹیشن سے خانقاہ تک پیادہ پا بھیگتے ہوئے پہنچا، دریافتِ حال سے معلوم ہوا کہ افاقہ کی صورت ہے، جس سے تسکین ہوئی، میرا اس طرح خلافِ دستور بے اطلاع اچانک پہنچ جانا حضرت کے لئے تعجب کا موجب ہوا، میری آمد کے خبر دینے والے سے پوچھا "تم مولوی سلیمان کو پہچانتے بھی ہو یا یونہی کہہ رہے ہو" اس نے اثبات میں جواب دیا تو ارشاد ہوا کہ ان کی عادت بے اطلاع آنے کی نہ تھی، حضرت کے عزیز خاص مولانا جمیل احمد صاحب نے عرض کی علالت کی سن کر چلے آئے ہونگے۔

نماز ظہر کے بعد مجلس میں حاضری ہوئی، ضعف سے بستر پر لیٹے تھے، مصافحہ فرمایا خاکسار نے دستِ مبارک کو بوسہ دیا، شفقت سے بشاشت ظاہر فرمائی، سفر کا حال پوچھا، کسی خادم کے ساتھ نہ لینے پر نصیحت فرمائی، قیام کے دن پوچھے، خاکسار نے بھوپال کے سفر کی ضرورت ظاہر کی کہ سرکار بھوپال نے اپنی ریاست میں مسلمان عورتوں کے طلاق و تفریق کے مسائل کے طے کرنے کے لئے علماء اور اہل قانون کی ایک مجلس مقرر کی ہے، اس کی شرکت کے لئے مع مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب یہاں سے جانا چاہتا ہوں، اس لئے مجلس کی تاریخ کی اطلاع تک یہاں چند روز رہنا چاہتا ہوں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ والیۂ بھوپال پر رحمت فرمائے کہ انہوں نے مسلمان عورتوں کے حال

پر رحم کھایا، خاکسار نے عرض کی کہ حضرت وہاں اب والیہ نہیں، والی ہیں، فرمایا، ٹھیک ہے، غرض اس حالت میں بھی کہ ضعف پوری شدت پر تھا، تکلم میں تکلف تھا، پھر بھی حاضرین مجلس پر شفقت فرما کر ملفوظات سے ذرا تھم تھم کر بہرہ ور فرما رہے تھے اور لوگوں کے آئے ہوئے خطوط سُن رہے تھے اور بدستور جواب لکھوا رہے تھے، بلکہ بعض بعض خطوط پر خود دستِ مبارک سے بھی لکھ دیتے تھے، کبھی جو قوت پاتے اور اس وقت کام کرنے لگتے یا ملفوظات ارشاد فرمانے لگتے تو تھوڑی کے لئے حاضرین کو یہ خیال ہونے لگتا کہ حضرت بیمار ہی نہیں، مگر ادھر جوشِ بیان کم ہوا اور ادھر سر تکیہ پر رکھ دیا، ہمیشہ کی عادت یہ تھی کہ بڑا تکیہ پیٹھ سے لگا کر سر کو بے سہارے اونچا رکھتے تھے، یہی حال اس وقت بھی تھا، دیکھنے والوں کو تکلیف معلوم ہوتی اور اس مشورہ کو جی چاہتا تھا کہ دوسرا تکیہ اور رکھ کر اس پر حضرت سر مبارک کو رکھ لیں، چنانچہ میں نے اس سلسلہ میں یہ عرض کیا، تو ارشاد ہوا نہیں، اس کی حاجت نہیں، بعد میں خواجہ صاحب (خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری ریٹائرڈ انسپکٹر آف اسکولس یوپی، جو حضرت کے خلیفہ خاص، محرم خاص بلکہ خادم خاص ہیں) نے فرمایا کہ حضرت کی ہمیشہ کی عادت یہی ہے، اس ضعف و اضمحلال کی حالت میں بھی مجلس کا وقار، نظم و ضبط اور اصول و قواعد کی پابندی بدستور جاری تھی اور اخیر لمحۂ حیات تک

اس میں فرق نہیں آیا۔

عصر کے وقت مجلس برخاست ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ کھانے کے الگ انتظام کی ضرورت نہیں، چند روز کے مہمانوں کے لئے اس کی ضرورت نہیں، بڑے گھر سے کھانا جائے گا اور ایک خادم خاص کو اس کی ہدایت فرمائی، اس ناسزاوار کے لئے تو یہ خیر و برکت کا سامان تھا، یہ بھی ارشاد ہوا کہ جب چاہو اور جس وقت چاہو آسکتے ہو، کوئی قید نہیں، یہاں سے اٹھ کر جب خانقاہ پہنچا تو بعد نماز حضرت والا کی طرف سے حضرت کی آخری تصنیف بوادر النوادر کا ایک نسخہ مولانا جمیل احمد صاحب نے ہدیہ لاکر عنایت فرمایا اور یہ ارشاد سامی پہنچایا کہ میرے مضامین سے اقتباسات جمع کرکے شائع کرو، اس حکم کو اپنی ہدایت و رہنمائی کا نسخہ سمجھ کر اپنی سعادت کا اظہار کیا، دوسرے دن حاضری کے موقع پر حضرت نے اپنی زبانِ مبارک سے خود یہ ارشاد فرمانا چاہا تو خاکسار نے حضرت کی زحمت تکلم کے خیال سے عرض کیا کہ یہ ارشاد مبارک مولانا جمیل احمد صاحب کے ذریعہ پہنچ چکا، مگر وہاں سے اُٹھنے کے بعد مولانا جمیل صاحب سے جب میں نے پوچھا کہ حضرت کا مقصود کیا ہے، یعنی اس کتاب بوادر سے اقتباس یا عام کتابوں سے، انہوں نے فرمایا اس کو میں نے اچھی طرح خود بھی نہیں سمجھا، بعد کی حاضری میں موقع پاکر میں نے تفصیل چاہی تو ارشاد ہوا نہیں، عام کتابوں میں جو مضمون مفید نظر آئیں، ان کو یکجا کرلیا کرو۔

آخری حالات: میری حاضری ۷؍جولائی سے ۱۱؍جولائی کی دوپہر تک رہی، اشتہا کا سقوط اور ضعف کا استیلا اپنی حالت پر رہا، دست پانچ، چھ، سات تک آتے رہے، مزید یہ کہ ہاتھوں اور پاؤں پر ورم تھا، ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کے ناخنوں میں نیلاہٹ نمودار ہوگئی تھی، جو باعثِ تشویش تھی، دو روز کے بعد اس میں کمی آگئی، مگر وفات کے چند روز پیشتر وہ پھر عود کر آئی تھی۔

خدمت اور خاص کر رات کے وقت نوبت بہ نوبت جاگ کر خدمت کی سعادت خدام خاص کی قسمت میں آئی، جن میں پہلا درجہ خواجہ صاحب کا ہے، ان کے علاوہ مولانا جمیل احمد صاحب، بنڈو میاں (ملازم نواب صاحب باغپت) اور مولوی شبلی صاحب جونپوری نے اس خدمت خاص کی سعادت آخر تک پائی، بعد کو مولانا ظفر احمد صاحب بھی ڈھاکے سے آکر اس میں شامل ہوگئے۔

حاضری کے دوسرے یا تیسرے دن استفسار ہوا کہ کھانا تو مزاج کے موافق ہوتا ہے، عرض کی کہ بالکل مطابق ہے۔ کس تواضع اور کس شفقت اور کس بلاغت سے ارشاد ہوا کہ میں معافی کا خواستگار نہیں مستحق ہوں، اس نکتہ یا اہل ذوق نے تحسین کی سعادت پائی کہ ضعف و نقاہت کے اس عالم میں بھی دل و دماغ ناقصوں کی تربیت میں مصروف ہیں اور اکرام ضیف کا نمونہ پیش کیا جارہا ہے۔

دو تین واقعے ذکر کے قابل ہیں، اسی اثنائے حاضری میں بنگال سے ایک معتقد بااخلاص کا خط آیا، جس میں لکھا تھا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب نبیؐ کی وفات کا

وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اختیار دیتے ہیں کہ خواہ وہ دنیا میں رہنا پسند کرے یا اللہ تعالیٰ کے یہاں جانا، یہ تمہید لکھ کر اس میں تھا کہ میرے اعتقاد میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متبعین خاص کو بھی اس اختیار خاص سے حسب استعداد حصہ ملتا ہوگا، اس لیئے عرض ہے کہ ہم ناقصوں کی تربیت کے لئے حضرت والا چند روز اور اس دنیا میں قیام منظور فرمائیں۔" خط کے جواب میں لکھوا دیا "تم اپنے دماغ کا کسی حاذق طبیب سے علاج کراؤ۔" پھر حاضرین سے خطاب کر کے فرمایا "اول تو یہ ثابت نہیں کہ جو انبیاء (علیہم السّلام) کو ملتا ہے، اس میں اولیاء و مشائخؒ کو بھی حصہ ضروری ملتا ہے۔" اور اس کے بعد فرمایا "اور اگر ایسا بھی ہو تو انبیاء نے کیا کیا؟ (یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب ہی کو حیاتِ دنیا پر ترجیح دی)۔

ایک دفعہ بعد ظہر خط لکھوا کر فارغ ہو چکے تھے کہ اونگھ آگئی، ہوشیار ہوتے تو فرمایا کہ ایسا معلوم ہوا کہ اس تخت پر ایک لفافہ رکھا ہے جس پر عبدالعزیز لکھا ہے' خواجہ صاحب نے عرض کی ابھی حضرت نے خطوط لکھوائے ہیں وہی خیال قائم رہا، ارشاد ہوا، ہاں یہ صحیح ہے، مگر عبدالعزیز نام کیوں ہے، بات ختم ہوگئی، مجلس کے برخاست کے بعد خواجہ صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کی عمر کیا تھی؟ میں نے کہا اسّی (۸۰) بیاسی (۸۲) برس یاد آتا ہے (اب دارالمصنفین آکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی عمر شریف اکاسی (۸۱) برس کے قریب یعنی اسّی (۸۰) برس کچھ مہینے ہوئی ہے،

بہر حال اس سے خواجہ صاحب کی نکتہ شناس نظر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تشابہ حال پر پہنچ گئی۔

ہر چند یہ تاکید تھی کہ شدت علالت کی اطلاع کسی کو نہ دی جائے، احباب اشارات وتلمیحات اور اطلاعات میں اپنے متعلقین اور دوستوں کو اطلاع دیتے تھے، غرض یہ تھی کہ زائرین ہجوم نہ کریں، اس پر بھی دور دور سے معتقدین آجاتے تھے، ایک صاحب نے پشاور سے آنے کی اطلاع کرائی، دوسرے نے گورکھپور سے، کسی نے کسی اور دور مقام سے مگر ہر ایک سے یہی ارشاد ہوا کہ اجازت نامہ کہاں ہے، جب وہ معذوری ظاہر کرتے اور اعتراف قصور کرتے تو فرماتے تمہاری غلطی کا خمیازہ میں کیوں اٹھاؤں، پھر حاضرین کی طرف خطاب کر کے فرمایا ان کو میں محروم کر کے بھی محروم نہیں کرتا ہوں، ایک سبق دے رہا ہوں، پھر اسی معنی کا خواجہ صاحب کا ایک مصرعہ پڑھا، پھر ارشاد فرمایا کہ ان کے ناکام واپس جانے کا یہ اثر ہوگا کہ اس کو سن کر دوسرے لوگ آنے سے رک جائیں گے اور اس سے ان کو فائدہ پہنچے گا، غرض یہ تھی کہ لوگ اس بے کار کی زحمت اور تکلیف سے خود بھی بچیں اور حضرت کو بھی ہجوم سے بچائیں۔

ایک روز بعد مغرب یاد فرمایا اور مشورہ چاہا کہ اشتہا مطلق نہیں اور ضعف بڑھ رہا ہے، گو میں اس کے نتیجہ پر راضی ہوں، مگر بہر حال اگر اس کی تدبیر کوئی ضروری ہو تو کرنا چاہیئے" اس اثناء میں خیال ظاہر فرمایا کہ "لکھنؤ میں ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب (ناظم ندوہ) کو جو مزاج شناس تھے) لکھا جائے کہ صرف اشتہا پیدا ہونے کے لئے کوئی نسخہ تجویز

کریں"۔ خاکسار نے عرض کی کہ حضرت چار روز خط کے جانے میں اور چار روز آنے میں لگیں گے، اتنی دیر بہت ہے، پھر رائے ہوئی کہ سہارنپور میں کوئی اچھا ڈاکٹر ہو تو بلایا جائے، مگر دوسرے ہی دن مولوی محمد حسن صاحب اور دوسرے احبابِ لکھنؤ کا خط آیا کہ حکیم عبد المجید صاحب لکھنوی جن کے علاج سے پہلے بھی فائدہ ہو چکا تھا، اگر اجازت ہو تو ان کو لے کر حاضر ہوں، چنانچہ اجازت کا خط لکھا گیا، طالبین کے خطوط بدستور آ رہے تھے، لوگ حسبِ دستور ہدایا منی آرڈر سے بھیج رہے تھے، مگر شدتِ احتیاط بدستور قائم تھی اور وہ واپس ہو رہے تھے، مگر اخلاص و محبت کے سرمایہ کو بہت خوشی سے قبول فرما لیتے تھے، ایک قریب کے نواب صاحب کی ایک رقم آئی تو قبول فرما کر ارشاد ہوا کہ ان لوگوں کا ممنون ہوں کہ وہ دے کر اُلٹے خود ممنون ہوتے ہیں کہ اس نے (اپنی ذات کی طرف اشارہ) قبول کیا، ایک غریب نے کچھ پیش کیا تو اللہ اکبر اس کو آنکھوں سے لگایا۔

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

حضرت گو ضبط، صبر اور استقامت سے اپنی تکالیف ظاہر نہیں فرماتے تھے اور نہ آئندہ کے خطرہ کو زبان پر لاتے تھے کہ دوسروں کو بے صبری نہ ہو، مگر بات بات سے سفر کی آمادگی ظاہر ہوتی تھی، گو ان کی زندگی اور طرزِ زندگی جس صفائی، پاکیزگی اور باقاعدگی کی عادی تھی، اس کا اثر یہ تھا کہ وقتِ اخیر کے لئے کوئی کام اٹھا نہیں رکھا کہ سالکِ کامل ہر لمحہ کو لمحۂ اخیر سمجھتا ہے اور اسی کی تیاری رکھتا ہے، یہی حال حضرت رحمۃ اللہ علیہ

کا تھا، کوئی چیز کرنی باقی نہ تھی، تمام انتظامات، حساب وکتاب اور وصایا سے پوری پوری فراغت تھی، عادت شریف تھی کہ آج کا کام کل پر اٹھا کر نہیں رکھا، گویا ہر وقت آمادۂ سفر تھے۔

خاکسار کو بھوپال کی مجلس کی تاریخ ۹ کو تار سے معلوم ہو چکی تھی، ۱۰ کو رفیقِ سفر مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا بھی مکرمت نامہ آگیا، ۱۱ کی صبح کی مجلس کے بعد رخصت کی درخواست پیش کی، باایں ہمہ ضعف وقوت لیٹے ہی لیٹے دونوں ہاتھ رخصت کے لئے بڑھائے، حقیر نے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر دست مبارک کو بوسہ دیا اور آنکھوں کو ملا، آہ! کس بلا کا رخصتانہ تھا، فرمایا "جاؤ خدا کے سپرد کیا" یہ لفظ کانوں نے پہلے نہیں سنے تھے، آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور دیر تک چہرۂ مبارک پر جمی رہیں، کہ یہ جمال جہاں آرا شاید پھر دیکھنے کو نہ ملے، سو ایسا ہی ہوا۔

بعد کے اخیر حالات: خاکسار کے جانے کے دو ایک روز کے بعد حکیم عبدالمجید صاحب تشریف لے آئے اور علاج اپنے ہاتھ میں لیا، پہلے روز عرق دانہ انار دیا، دوسرے روز ایک بٹیر کی یخنی دلوائی، تیسرے روز دو بٹیروں کی، مگر حکیموں کی ہر مسیحائی تدبیر محکمۂ تقدیر سے رد ہوتی رہی، حکیم صاحب کا ایک ہفتہ علاج رہا، مگر حالت میں تغیر نہیں ہوا، میں نے بھوپال سے مولانا جمیل احمد صاحب کو طلب خیریت کا خط لکھا، جس کے جواب میں دوشنبہ کے روز یعنی جس کی آنے والی شب میں وفات

ہوئی، یہ تحریر فرمایا:

"حکیم عبدالمجید صاحب آئے تھے، ہفتہ پورا کر کے کل واپس جا رہے ہیں، حکیم سمیع اللہ (حضرت کے خلیفہ حقداد خاں صاحب لکھنوی کے صاحبزادہ) رہیں گے، علاج ان ہی دونوں کا ہے، افاقہ کی صورت نہیں، دست بہت ہیں، ضعف بیحد ہے، سانس میں تکلیف ہے، بائیں پاؤں میں کل سے سخت درد ہے، ہم سب پریشان ہیں۔"

(جمیل احمد، دوشنبہ)

لکھنؤ میں ثقات سے جو حاضر تھے معلوم ہوا کہ دوشنبہ کے روز دست زیادہ آئے، ظہر کے بعد ضعف زیادہ محسوس ہوا، عصر کے بعد مولانا شبیر علی صاحب کو (جو حضرت کے بھتیجے اور تمام امور خانقاہ و مدرسہ کے مہتمم و متولی تھے) یاد فرمایا، اطلاع دی گئی کہ وہ سہارنپور دوا لینے گئے ہیں، محل خورد سے فرمایا کہ امانتوں کا صندوقچہ اٹھا لو، (امانتیں وہ رقمیں تھیں جن کو اہل خیر حضرت کو وکیل بنا کر کار خیر کے لئے بھیجتے تھے) مختلف تھیلیاں مدوار ہوتی تھیں، ایک تھیلی میں بی بی صاحبہ نے عرض کیا کہ پانچ روپے ہیں، فرمایا، چھ ہوں گے، چنانچہ ہاتھ ڈالا تو ایک روپیہ کا نوٹ اور نکلا، ارشاد فرمایا کہ یہ کل رقمیں ان کے مالکوں کو واپس کر دی جائیں، یہ اس مسئلہ شرعی پر عمل تھا کہ وکیل یا موکل کی موت کے بعد وکالت ختم ہو جاتی ہے اور ملک مالک کے تصرف میں واپس جانی چاہیئے۔ مولانا ظفر احمد صاحب کو کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ایک کاغذ پر یہ بشارت

نامہ لکھ کر وَجَعَلْنٰھَا وَابْنَھَا اٰیَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (خاکسار کو بعد کو مولانا ظفر احمد صاحب کے والا نامہ سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ وفات سے دو دن پہلے کا ہے)۔

مغرب کے بعد حالت اور زیادہ نازک ہوئی، سانس کی تنگی محسوس ہوتی تھی' مولانا ظفر احمد صاحب نے ڈھاکہ واپس جا کر لکھا۔

> " آپ تھانہ بھون سے بھوپال گئے اور یہاں سخت بھونچال آگیا کہ حضرت حکیم الامۃ قدس اللہ سرہٗ نے دار البقا کی طرف ارتحال فرمایا۔
>
> اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔
>
> کادت لھا شم الجبال تزول
>
> یہ ناچیز اخیر وقت تک حاضر خدمت رہا، دل پر پتھر رکھ کر بیٹھا رہا قلب اطہر کی طرف متوجہ رہا، تشنگی رفع کرنے کے لئے آب زمزم دیتا رہا، یہاں تک کہ آخری سانس میرے سامنے ختم ہوا، یٰسین اور کلمہ کی تلقین کرتا رہا، غسل بھی دیا، نماز بھی پڑھائی "

رات کے دس بجے تھے کہ عشاء کی نماز کے لئے خدام قریب کی حوض کی مسجد میں گئے، کہ اسی اثناء میں وہ دم آگیا جس دم کے لئے ہر دم تیاری رہتی تھی، اور ودیعۂ حیات کی آخری سانس اس دنیا میں لے کر واصل بحق ہوئے۔ اللّٰھم انزل علیہ شآبیب رحمتک وارفع درجتہ وارزقنا من برکاتہ۔

اس وقت خدام خاص کی کیفیت خیال کے قابل ہے، جو ایک طرف اپنے محبوب کے فراق میں بیقرار تھے اور دوسری طرف مقام صبر و رضا کی تعلیم سے بہرہ ور تھے اور حق تھا کہ حضرت سرور انبیاء، سید الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں وہ کہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے محبوب فرزند ابراہیم کی وفات کے وقت ارشاد فرمایا تھا کہ "اے ابراہیم ہم تیری جدائی سے غمگین ہیں لیکن زبان سے ہم وہ ہی کہیں گے جس میں ہمارے پروردگار کی رضامندی ہو" تاکہ محبت اور تسلیم و رضا دونوں کا حق ادا ہو۔

تجہیز و تکفین کے متعلق یہی فیصلہ ہوا کہ صبح کو ہو، صبح کے وقت خبر کے لئے دو آدمی سہارنپور بھیجے گئے، ایک مدرسہ مظاہر العلوم میں جس سے حضرت کو بہت روحانی تعلق تھا اور دوسرا سہارنپور کے احباب کے پاس، اس صبح کی جانے والی اور آنے والی گاڑیوں میں آدھ ہی گھنٹہ کا فصل ہوتا ہے اس لئے جو لوگ سننے کے ساتھ جس حال میں تھے اسی حال میں چل پڑے، وہ تو پہلی گاڑی سے روانہ ہو سکے، مگر اس کے بعد بھی سیکڑوں آدمی اسٹیشن پر پہنچ گئے، چنانچہ دوسری اسپیشل ٹرین چھوڑی گئی اور قریب ڈیڑھ ہزار آدمی کے جنازہ کے وقت تک پہنچ سکے۔

حضرت نے ہر چیز کا انتظام پہلے سے کر رکھا تھا، یعنی ایک زمین لے کر اس کو تکیہ یا قبرستان خاص بنا کر وقف کر دیا تھا، ایک مختصر سے احاطہ کے اندر ایک زمین گھیر دی گئی تھی، جس میں کچھ درخت بھی لگا دیئے گئے تھے، چھوٹی سی مسجد اور ایک

مختصر سا سائبان بھی اس میں ہے، اسی میں دوسرے اعزہ اور خدام بھی آسودہ ہیں، اسی کے ربع میں اس مخدوم کی استراحت ابدی کے لئے زمین چنی گئی۔

جنازہ کی نماز کے لئے مولانا شبیر علی صاحب نے مولانا ظفر احمد صاحب کو اشارہ کیا، مجھے معلوم ہوا کہ پہلے تو مولانا ظفر احمد صاحب نے تواضع کرنا چاہا مگر انہیں اپنا خواب یاد آیا تو آگے بڑھے اور نماز جنازہ ادا کی، میں نے سُنا کہ مولانا ظفر احمد صاحب ڈھاکہ میں تھے اور حضرت کی شدتِ علالت کی خبریں جا رہی تھیں اور گھر سے آنے کے لئے شدید تقاضا بھی ہو رہا تھا تو انہوں نے خواب دیکھا کہ وہ تھانہ بھون پہنچے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ایک نماز پڑھانے والا آگیا۔

یہ واقعات تھانہ بھون میں ۱۹؍ اور ۲۰؍ جولائی کو پیش آئے، مگر باہر والوں کو اطلاع دو دن بعد ملی، دہلی میں ۲۱؍ کو لکھنؤ میں ۲۲؍ کو، مذہبی حلقوں کو اطلاع دو دن بعد ملی اور عربی مدرسوں میں سناٹا چھا گیا۔

خاکسار اب تک بھوپال میں تھا، عنایت الٰہی دیکھئے کہ عین شب وصال کو خواب دیکھا کہ مولانا شبیر علی صاحب مجھ سے فرما رہے ہیں کہ حضرت مولانا کو پوری صحت ہوگئی صبح اٹھ کر میں نے حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ سے یہ خواب بیان کیا، دونوں چپ رہے، مفتی صاحب ۲۱؍ جولائی کو اور خاکسار ۲۳؍ جولائی کو بھوپال سے روانہ ہوئے، میں ۲۳؍ کی دوپہر کو لکھنؤ پہنچا اور ندوہ آیا، حادثہ سے بالکل بے خبر تھا۔

مدرسہ پہنچنے کے ساتھ میرے بچے سلمان سلمہٗ نے سب سے پہلے خبر دی اور اتفاق دیکھئے کہ بھوپال سے خط تو میں نے خیر خیریت کے لئے مولانا جمیل احمد کو لکھا تھا، چنانچہ انہوں نے دوشنبہ کے روز شدتِ علالت اور مایوسی کی اطلاع لکھی اور اس کی دوسری طرف بلاتوقع مولانا شبیر علی صاحب کے قلم کی عبارت یہ تھی۔

حضرت مخدوم معظم دام ظلکم العالی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

بعد تحریر خط ہذا ۱۹، ۲۰ر جولائی کی درمیانی شب میں حضرت والا کا وصال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون، بجز اطلاع کے اور کیا عرض کرسکتا ہوں۔ کیونکہ الفاظ اظہار کے لئے نہیں ملتے۔

مصیبت زدہ شبیر علی

۲۴ر کو سہارنپور اور دہلی سے مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور اور مولانا الیاس صاحب کاندھلوی لکھنؤ دارالعلوم میں آئے تو مزید اطلاعات اور تفصیلات معلوم ہوئیں، ۲۶ر جولائی کا لکھا ہوا مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا غم نامہ ملا۔

مکرم محترم، دامت معالیہم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، امید ہے کہ اب آپ بھوپال سے واپس آگئے ہوں گے، میں نے دہلی پہنچ کر حضرت مولانا تھانوی کے وصال کی خبر سنی، آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھاگیا، فوراً یاد آیا کہ جس شب کو مولانا نے دنیا کو چھوڑا، یعنی دوشنبہ سہ شنبہ کی درمیانی شب، اسی

رات کی صبح کو جناب نے بھوپال ـــ میں مجھ سے ذکر کیا تھا کہ آپ نے مولوی شبیر علی صاحب کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہے ہیں حضرت بالکل صحت یاب ہو گئے، آپ کا خواب سچا ہوا، مولانا نے دنیاوی تکالیف سے بالکل صحت پائی، اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً واسکنہ الفردوس الاعلیٰ، ہندوستان ایک حکیم الامۃ مجدد الملۃ سے محروم ہو گیا۔“

حضرت کے ایک خلیفہ نے جن کو صدق رؤیا کی نعمت ملی ہے، وصال کی دوسری یا تیسری شب کو خواب میں دیکھا کہ حضرت فرما رہے ہیں کہ میرے فیوض اب بھی جاری رہیں گے، اللہ تعالیٰ نے مجھے مقام شہداء (فرمایا یا مقام شہود) عطا فرمایا، حضرت نے اسہال کے مرض سے وفات فرمائی اور حدیث نبوی ہے والمبطون شہید (پیٹ کی بیماری سے مرنے والا شہید ہے)۔

مجھ سے مولوی محمد حسن صاحب کاکوروی (علیگ) مالک انوار المطابع لکھنؤ نے جو حضرت کے خدام قدیم میں سے ہیں بیان کیا اور انہوں نے خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری بی، اے (علیگ) سے سنا ان کو چھوٹی پیرانی صاحبہ سے معلوم ہوا (خواجہ صاحب کی اہلیہ بھی ساتھ تھیں) کہ جس وقت رُوحِ مبارک پرواز کر رہی تھی حضرت کے داہنے ہاتھ کی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کے بیچ میں ایک نگینہ سا چمکتا معلوم ہوتا

تھا، جس کو انہوں نے دیکھا اور دوسری عورتوں نے بھی دیکھا۔" محرمِ خاص حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ چونکہ جو نور ہدایت حضرت کے ذریعہ پھیلا وہ زیادہ تر ان کی انگلیوں یعنی تصنیفات کے ذریعہ سے پھیلا، اس لئے وہ نور انگلیوں ہی کے درمیان ممثل ہو کر نظر آیا، واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت کے بہت سے محبین کی طرح ایک محب خاص مولانا مسعود علی صاحب ندوی کو اس عقیدت وعظمت کی بنا پر جو اُن کے دل میں تھی حضرت کی مغفرت کے لئے دعا مانگنے میں دلی کشمکش محسوس ہوتی تھی، انہوں نے خواب دیکھا کہ وہ خانقاہ تھانہ بھون میں حاضر ہیں کہ دفعۃً حضرت تشریف لے آئے اور ان سے فرمایا کہ میری صحت کے لئے دعا مانگا کرو۔

حل این نکتہ ہم از روئے نگار آخر شد

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ایک کامل زندگی کو جو کمال زہد وورع، کمال اتباع شرع، کمال اتباع سنت کے ساتھ تھی، اس زمانہ میں نمونہ کے لئے پیدا کیا، وہ آئی اور ساٹھ برس کے مجاہد کا نمونہ دکھا کر واپس گئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ وادخلہ اعلیٰ علیین وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الامین وآلہ واصحابہ اجمعین واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔